# اسلامی قانون سازی کا اہم ترین مسئلہ

از جناب محمد امین صاحب ۔ ریاض، سعودی عرب

اسلامی نقطۂ نظر سے قانون سازی کے سلسلے میں جو اہم فکری اور عملی مسئلہ اس وقت پاکستان کو درپیش ہے وہ یہ ہے کہ مملکت میں اس بات کا فیصلہ کون کرے کہ کسی مسودۂ قانون میں کیا بات غیر اسلامی ہے اور کیا اسلامی ۔ یہ مسئلہ ان معنوں میں نیا نہیں ہے کہ پہلے اس پر غور نہ ہوا ہو لیکن اس وقت اس کی اہمیت اس لیے بڑھ گئی ہے کہ یہ ہمیں عملاً درپیش ہے کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے قانون سازی ہو رہی ہے اور انشاءاللہ آئندہ بھی ہوگی ۔

ماضی میں حکومتوں نے اس کا یہ حل پیش کیا کہ دستور میں یہ بات لکھ دی کہ "پاکستان میں کوئی قانون خلاف قرآن و سنت نہیں بنے گا" اور یہ کہ "موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں گے"[1] لیکن اس انداز سے لکھی گئی (مثلاً پالیسی کے بنیادی اصولوں میں)، کہ اس پر عمل درآمد نہ ہونے کی صورت میں عدالتوں سے رجوع نہ کیا جا سکے[2] قانونِ آزادیٔ ہند، پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کو حق قانون سازی بھی دیتا

---

[1] دستور ۱۹۵۶ء، آرٹیکل ۱۹۸
دستور ۱۹۶۲ء، آرٹیکل ۱ (باب دوم)
دستور ۱۹۷۳ء، آرٹیکل ۲۲۷

[2] A. K. BROHI FUNDAMENTAL LAW OF PAKISTAN P-784

تھا۔ پاکستان بننے کے بعد صرف یہ تبدیلی ہوئی کہ بس دینی جماعتوں اور علماء کے اصرار پر قرارداد مقاصد پاس کردی گئی (اور خود اس قرارداد کو بھی ہمیشہ پچھلی حکومتوں نے دستور کی تمہید اور دیباچے کے طور پر رکھا کیونکہ اس صورت میں یہ عدالتی طور پر نافذ نہیں ہوسکتی)[1] نیز دساتیر میں ایک مشاورتی اسلامی ادارے کی بنیاد رکھی گئی جس کا کام یہ تھا کہ وہ قانون ساز ادارے کے لیے ایسے رہنما اصول وضع کرے جو قانون سازی میں اس کے لیے رہنمائی کا کام دے سکیں، گویا اسلامی نظریاتی کونسل (باختلاف الاسماء) کے علماء اور سکالرز کا کام یہ تھا (اور ہے) کہ وہ عند الطلب مشورہ دے دیں اور سفارشات پیش کردیں۔ باقی جہاں تک اس چیز کا تعلق تھا کہ یہ فیصلہ کون کرے کہ کسی قانون میں کیا چیز اسلامی ہے اور کیا غیر اسلامی، تو یہ بات قانون ساز اداروں پر چھوڑ دی گئی[2] اور ان قانون ساز اداروں کے ممبران کا جو حال تھا وہ غالباً کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ کسی دستور نے قومی اسمبلی کے ممبران کے لیے اسلامی نقطۂ نظر سے اہلیت کی شرائط کبھی نہیں رکھیں، سوائے اس کے کہ عمر اتنی ہو، یا وہ پاکستان کا شہری ہو، سرکاری ملازم نہ ہو، کسی اخلاقی جرم میں سزا یافتہ نہ ہو وغیرہ[3] اور چونکہ کسی سابقہ حکومت کو اس بات سے عملی دلچسپی نہ تھی کہ قانون سازی

[1] M. MUNIR, COMMENTARY ON THE CONSTITUTION OF ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN, P-67

[2] MOHAMMAD SIDDIQ V. COMMISSIONER, LAHORE DIVISION, P.L.D 1962 LAHORE 999 ALSO SEE K.J. NEWMAN, ESSAYS ON THE CONSTITUTION OF PAKISTAN, P-228

[3] دستور ۱۹۵۶ء، آرٹیکل ۳، ۱۴۳، ۴۵
دستور ۱۹۶۲ء، آرٹیکل ۱۰۳
دستور ۱۹۷۳ء، آرٹیکل ۶۲

اسلام کے مطابق ہو لہٰذا یہ بھی ہوا کہ ایک ایک دن میں بیسیوں قوانین بغیر بحث کے پاس ہو گئے[1] اور غیر اسلامی قوانین بھی علماء کے اصرار اور احتجاج کے باوجود پاس ہو گئے[2]

ایک مشاورتی اسلامی ادارے کا وجود نہ صرف یہ کہ اس زمانے میں بے کار اور معطل ثابت ہوا جب کہ حکومتیں قوانین کو اسلامی بنانے کے عمل میں دلچسپی نہ رکھتی تھیں بلکہ موجودہ دور میں بھی وہ اپنی افادیت ثابت نہیں کر سکا۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اس نے کتنا کام کیا اور اس میں سے کتنے پر عمل درآمد ہوا:۔

— کونسل نے "پاکستان کوڈ" کی پہلی آٹھ جلدوں اور بعض دیگر قوانین سمیت کل ۳۲۹ قوانین پر غور کر کے ان پر اپنی سفارشات مرتب کیں۔ ان میں سے کسی پر عمل درآمد نہیں ہوا۔

— ۱۷ قوانین کے مسودے حکومت کو پیش کیے جن میں سے صرف ۶ باقاعدہ قانون بنے (لیکن قانون بننے سے پہلے کونسل کے مسودوں میں ترامیم بھی کی گئیں اور ان پر ٹھیک طریقے سے عمل درآمد بھی آج تک نہیں ہوا)۔

— کونسل نے قوانین سازی پر ۱۵ اور نظامِ تعلیم، زراعت، معاشی اور معاشرتی نظام وغیرہ پر ۸ مبسوط رپورٹیں پیش کیں لیکن سوائے بلاسود بنکاری کے کسی رپورٹ کو شائع کرنے کی اجازت نہیں مل سکی۔ (سینکڑوں آدمیوں کے سامنے صدر صاحب کی یقین دہانی کے باوجود[3]) اور نہ ہی کسی پر عمل درآمد ہوا۔

---

[1] ڈاکٹر ایم۔ اے رزاق، پاکستان کا نظامِ حکومت اور سیاست۔ صفحہ ۲۴۸ و مابعد

[2] مثلاً عائلی قوانین کا آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء جو اسلامی نظریاتی کونسل ہی نہیں بلکہ وزارتِ قانون سے بھی غیر اسلامی قرار دیئے جانے کے باوجود آج تک موجود ہے۔

[3] پہلے علماء کنونشن (منعقدہ اسلام آباد ۲۱، ۲۲ اگست ۱۹۸۰ء) میں صدر کی تقریر، روداد کنونشن مطبوعہ وزارت مذہبی امور، صفحہ ۲۳۲۔

جہاں تک صدر مملکت کا تعلق ہے وہ اسلامی نظام نافذ کرنے کے خواہش مند اور مدعی ہیں۔ انہوں نے کام کرنے اور اسے آگے بڑھانے کے سلسلے میں کونسل کی پوری پوری مدد کی، لیکن کونسل کے اس مطالبے اور اس کی تکرار سے زچ ہو کر کہ اس کی سفارشات پر عمل درآمد بھی کروایا جائے، انہوں نے دوسرے "علماء کنونشن" میں ڈھکے چھپے لفظوں میں کہہ دیا کہ جب ہم پورے ڈھانچے کو اسلام کے مطابق کر رہے ہیں تو نظریاتی کونسل کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے[1]۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس خیال پر عمل درآمد کی یہ صورت نکالی کہ مئی ۱۹۸۴ء کے آخر میں جب موجودہ کونسل کی میعاد پوری ہو گئی تو انہوں نے نئی کونسل نامزد ہی نہیں کی۔ چنانچہ اس وقت سے کونسل موجود نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے قانون سازی کے سلسلے میں ایک مشاورتی ادارے کا وجود غیر مؤثر ہے، خواہ اس میں کتنے ہی جید علماء اور قابلِ اعتماد سکالرز موجود ہوں۔

اس سلسلے میں جہاں تک عدالتوں کے کردار کا تعلق ہے تو یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ عدالت کا کام قانون بنانا نہیں ہوتا بلکہ اس کی تشریح کرنا اور اس پر عمل درآمد کرانا ہوتا ہے۔ ایک اسلامی ملک میں عدالتِ عالیہ کو یہ اختیار تو ہوتا ہے (یا کم از کم ہونا چاہیے) کہ وہ ہر اس قانون کو یا اس کے کسی جزء کو کالعدم قرار دے دے جو خلافِ اسلام ہو لیکن یہ بہر حال اس کا کام نہیں ہوتا کہ وہ اس کی جگہ نیا قانون بنا کر انتظامیہ کو دے۔ جہاں تک موجودہ وفاقی شرعی عدالت کا تعلق ہے تو جیسا کہ معروف ہے، اس کا دائرۂ کار خاصا محدود ہے اور وہ بہت سی چیزوں کو ہاتھ ہی نہیں لگا سکتی[2]۔ اگر اس پر سے

---

[1] دوسرے علماء کنونشن (منعقدہ اسلام آباد، ۴، ۵ جنوری ۱۹۸۴ء) میں صدر کی تقریر، رودادِ کنونشن مطبوعہ وزارت مذہبی امور، صفحہ ۱۶۵ و ۱۶۷۔

[2] CLAUSE 203 (A-E) OF THE CONSTITUTION (AMENDMENT) ORDER 1980 (PRESIDENT'S ORDER 1 OF 1981) جس کی رو سے آئینی، عدالتی، اجراداتی قوانین، عائلی قوانین اور ہر قسم کے مالی قوانین پر یہ عدالت غور نہیں کر سکتی۔

یہ پابندیاں اٹھا بھی لی جائیں اور وہ ہر قسم کے قوانین کو کالعدم قرار بھی دے دے تو بہر حال ان خلافِ اسلام قوانین کی جگہ وہ اسلام کے مطابق قانون بنا کر تو نہیں دے سکتی کیونکہ یہ اس کا دائرہ کار نہیں ہے۔ علاوہ ازیں وفاقی عدالت کے فیصلوں کا توڑ بھی حیلے بہانے سے کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً پاکستان کے فوجداری قانون کو بدلنے کے لیے شرعی عدالت نے تقریباً پانچ سال پہلے فیصلہ کیا تھا، اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل حکومت نے دائر کر دی۔ اور پھر وہاں یہ درخواست دائر کر کے عدالتی کارروائی معطل کروا دی کہ حکومت اس موضوع پر قصاص و دیت کا قانون نافذ کرنا چاہتی ہے لیکن وہ قانون آج تک نافذ نہیں ہوا[1]

اس سلسلے میں ہمارے علماء کا رویہ بھی قابلِ غور ہے۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ کے مسودے میں قانون سازی کے لیے یہ تجویز کیا گیا تھا کہ پانچ علماء کا بورڈ صدرِ مملکت کے ساتھ کام کرے گا۔ اگر اس بورڈ کو اسمبلی کے فیصلے پر کچھ کہنا ہو اور وہ متفقہ رائے سے فیصلہ کر دے تو صدر اس رائے کے ساتھ متعلقہ بل کو واپس اسمبلی میں بھجوا دے گا۔ اسی طرح کے بورڈ صوبائی اسمبلیوں میں بھی تجویز کیے گئے تھے[2]۔ علمائے کرام نے کراچی کے اجتماع میں کثرتِ رائے سے یہ تجویز مسترد کر دی اور اس کے بجائے یہ تجویز کیا کہ کسی قانون کو غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے کالعدم قرار دینے کا اختیار سپریم کورٹ کو دے دیا جائے اور وہاں علماء کا تقرر کیا جائے[3]۔ علمائے کرام نے یہ موقف غالباً اس لیے اختیار کیا تھا کہ بورڈ تعلیماتِ اسلامیہ کی صورت میں ایک تلخ تجربہ انہیں ہو چکا تھا اور

---

[1] DR. TANZIL-UR-REHMAN, ENFORCEMENT OF ISLAMIC LAW IN PAKISTAN - A NEW APPROACH, P-6

[2] ملاحظہ ہو بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ، سیکشن نمبر ۵ اور ۶

[3] دستوری سفارشات اور پاکستان کے اکابر علماء کا متفقہ تبصرہ اور ترمیمات، ضمیمہ چراغ راہ، جولائی ۱۹۵۳ء، صفحہ ۸۔

انہیں اسمبلی اور سیاست دانوں سے کسی زیادہ مثبت رویے کی توقع نہ تھی۔ اس کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان دو باتوں میں فرق کی نوعیت ذہن میں رکھنی چاہیے۔ ایک تو یہ کہ قوانین جیسے کیسے بھی بنیں، بن جائیں اور ان کی چیکنگ کا کام بعد میں سپریم کورٹ میں ہو، دوسرا یہ کہ جب قوانین بن رہے ہوں تو اس وقت ہی کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ وہ غیر اسلامی نہ ہوں۔ ہمارے نقطۂ نظر سے اس دوسرے رویے پر زیادہ زور دیا جانا چاہیے تھا۔ اگرچہ اس کے ساتھ اعلیٰ عدالتوں کو قوانین کے خلاف اسلام ہونے کی صورت میں انہیں کالعدم قرار دینے کا اختیار لازماً ہونا چاہیے تھا۔

اس وقت تک ہم نے جو کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے قانون سازی کے سلسلے میں ایک مشاورتی اسلامی ادارہ غیر مؤثر ثابت ہوا ہے اور عدالتیں بھی اس سلسلے میں ایک محدود کردار ہی ادا کر سکتی ہیں۔ لہٰذا بات وہیں آکر ٹھہرتی ہے کہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب اسمبلیاں (جو بڑی حد تک خود مختار ہوتی ہیں) کیا شرعی نقطۂ نظر سے قانون سازی کر سکتی ہیں یا اس کی اہلیت رکھتی ہیں؟ اس بات کا علمی جواب دینے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عملی حالات پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ حقیقی مشکلات کے تناظر میں صحیح حل بھی پیش کیا جا سکے۔

ماضی میں اسمبلیوں نے قانون سازی کے سلسلے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ معروف ہے، (یعنی یہ کہ انہوں نے کوئی مثبت اور قابل ذکر کام نہیں کیا) لہٰذا ان سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم موجودہ مجلس شوریٰ یا فیڈرل کونسل کا ذکر کریں گے کیونکہ اس کے خالق جناب صدر مملکت نے جو اپنی اسلام پسندی کی وجہ سے معروف ہیں اس کی تشکیل کے وقت کہا تھا کہ ہم نے ممبران کے شجرہ ہائے نسب کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے۔ چنانچہ ہم مختصر طور پر اس کی ہیئت اور کارگزاری کا جائزہ لیں گے۔

وفاقی کونسل کی ہیئت[1] زمیندار و کاشت کار ۶۵

---

[1] یہ اعداد و شمار ۲۸۷ ممبران کے ہیں جو پہلی دفعہ نامزد کیے گئے تھے (اصلاً ۲۸۸ آدمی نامزد کیے گئے تھے لیکن ایک نے حلف ہی نہیں اٹھایا)

| | |
|---|---|
| وکلا | ۳۸ |
| صنعت کار و تجار | ۳۵ |
| علماء | ۱۵ |
| دیگر | ۱۳۴ |

سٹینڈنگ کمیٹی برائے قانون و پارلیمانی امور:

| | |
|---|---|
| وکلا | ۰ |
| زمیندار | ۱ |
| عالم دین | ۱ |

وہ اسلامی قوانین جو آج تک مجلس شوریٰ نے پاس کیے ہیں، ان کی تعداد ۴ ہے ان کی مختصر روداد یہ ہے:

۱۔ قصاص و دیت آرڈیننس:

یہ مسودہ قانون ۸۲-۱-۱۸ کو وفاقی کونسل میں پیش ہوا اور ۲۶ اپریل کو پاس ہوا۔ کونسل کو اس پر غور کرنے اور کسی نتیجے پر پہنچنے میں اڑھائی سال لگے۔ اس مسودہ کو نظریاتی کونسل نے ۱۹۷۹ء میں بنانا شروع کیا تھا۔ پھر جب یہ مختلف مراحل سے گزر کر وفاقی کونسل میں پہنچا تو یہاں یکے بعد دیگرے پانچ کمیٹیوں نے اس پر غور و خوض کیا جن میں ایک وہ سلیکٹ کمیٹی بھی تھی جس کے صدر چوہدری الطاف حسین ایڈووکیٹ تھے اور یہ سات ممبران پر مشتمل تھی (جس میں ۳ وکلا، ۲ خواتین اور ۲ علماء دین شامل تھے) اس کمیٹی کی متنازعہ رپورٹ میں نظریاتی کونسل پر جارحانہ حملے کیے گئے بلکہ کونسل کی آڑ میں اسلامی قوانین کے بارے میں بھی غلط تاثر بالواسطہ طور پر اجاگر کیا گیا۔ دوسری طرف کمیٹی کے عہدہ داروں اور اس کی کارکردگی کے خلاف شریک علماء کا سخت ردِ عمل سامنے آیا۔ بالآخر صدر مملکت کو ذاتی طور پر اس معاملے میں مداخلت کرنا پڑی[1]

[1] جسارت - ۹ اپریل ۱۹۸۴ء۔

اور وفاقی وزیر مذہبی امور راجہ ظفر الحق کی قیادت میں ایک کمیٹی بنی جس نے ایک نئی رپورٹ تیار کر کے کونسل سے جولائی ۱۹۸۴ء میں منظور کروائی۔

۲۔ قانونِ شہادت آرڈی ننس:

اس قانون کا مسودہ وفاقی کونسل میں ۴/۱/۸۲ کو پیش ہوا اور ۵ ماہ بعد ۳۰/۳/۸۲ کو پاس ہوا۔ جس سلیکٹ کمیٹی نے اس پر غور کیا وہ ۱۵ ارکان پر مشتمل تھی جن میں اکثریت وکلا کی تھی، چار علمائے دین تھے۔ یہ کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلامی نظریاتی کونسل کا مسودہ ناقابلِ عمل ہے[1] چنانچہ اس نے پرانے قانونِ شہادت مجریہ ۱۸۷۲ء میں ہی چند تبدیلیاں کر کے کونسل میں پیش کر دیا اور وہ پاس ہو گیا۔ اس پاس شدہ قانون کے بارے میں کونسل کی اسلامائزیشن کمیٹی کے چیئرمین اور سابق چیف جسٹس پشاور ہائی کورٹ کی رائے یہ تھی کہ یہ پچھلے (انگریزوں کے وضع کردہ) قانونِ شہادت ہی کی نقل ہے، بس سیکشنوں کے نمبر بدل دیئے گئے ہیں اور اسلامی نقطۂ نظر سے چند سطحی قسم کی تبدیلیاں کی گئی ہیں[2]

۳۔ فاسٹی کورٹس آرڈی ننس:

۱۸/۱/۸۲ کو یہ وفاقی کونسل میں پیش ہوا اور ۲/۲/۸۳ کو پاس ہوا۔ وفاقی کونسل کو اسے پاس کرنے میں ۱۳ ماہ کا عرصہ لگا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق رکن مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل نے کہا کہ موجودہ صورت میں یہ ایک بیکار قانون ہے، کیونکہ اس کے اسلامی کردار سے متعلق جو باتیں نظریاتی کونسل نے اس میں رکھی تھیں یا تو وہ ختم کر دی گئی ہیں یا بدل دی گئی ہیں[3]

---

[1] دیکھیے قانونِ شہادت سے متعلق وفاقی کونسل کی سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ صفحہ ۲

[2] DR. TANZIL-UR-REHMAN, IBID, P-10

[3] مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل ممبر نظریاتی کونسل، انٹرویو ماہنامہ "اذان" برمنگھم، انگلینڈ، شمارہ نومبر ۱۹۸۳ء، صفحہ ۸

۴ ـ قانونِ حقِ شفعہ:

یہ بھی ۲/۸/۱۸ کو وفاقی کونسل میں پیش ہوا اور کونسل نے اسے تین مہینے کے بعد پاس کر دیا ـــــ اس میں بے شمار تبدیلیاں کی گئیں ۔ اس پر بھی تبصرہ کرتے ہوئے اسلامائزیشن کمیٹی کے چیئرمین اور پشاور ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس صاحب نے فرمایا کہ وفاقی کونسل نے قانون کے مسودے میں (جسے اسلامی نظریاتی کونسل نے بنایا تھا) اتنی ترامیم کی ہیں کہ یہ مسودہ دوبارہ غیر اسلامی ہوگیا ہے[1]

اس مختصر جائزے سے جو نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱ ـــ وفاقی کونسل اس عرصے میں صرف چند قوانین ہی پر غور کر سکی، کوئی بڑا کام اس سلسلے میں نہیں ہوا۔

۲ ـــ وفاقی کونسل میں جو قانون سازی ہوئی وہ اسلام کے حق میں کم ہے اور اس کا زیادہ حصہ اسلام کے خلاف ہے یا اسلام سے آزاد۔ نظریاتی کونسل کے مسودوں میں نہ صرف یہ کہ بے شمار تبدیلیاں کی گئیں، بلکہ شوریٰ کی بعض کمیٹیوں نے نظریاتی کونسل اور اس کے کام کی کھلم کھلا مخالفت کی۔

۳ ـــ اس وفاقی کونسل میں علماء کی جتنی تعداد تھی اتنی آج تک کسی اسمبلی میں نہ تھی۔ اس کے باوجود وہ کوئی فعال اور مثبت کردار اسلامی قانون سازی کے حق میں ادا نہ کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ انہوں نے یہ کوشش کی کہ غیر اسلامی قوانین نہ بننے دیں اور اس میں بھی انہیں کوئی بہت زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

یہ سب کچھ اس ماحول میں ہوا کہ ہر سُو اسلام کے نعرے اور چرچے ہیں اور اس مجلس کے نمائندے اُس شخص کے ذاتی طور پر منتخب کردہ ہیں جو ہمہ مفتن رہے، دن رات اسلام کا نام لیتا ہے اور جسے شریعت کے نفاذ کا دعویٰ اور اُس پر فخر ہے۔ اگر پاکستان میں

ـــــــــــــــ

1 DR. TANZIL-UR-REHMAN IBID, P-9

انتخابات نہیں ہوتے تو اس شوریٰ کی کارکردگی تو ظاہر ہے اور اگر انتخابات ہوتے ہیں تو اگرچہ اُس وقت مستقبل کی اسمبلی یا شوریٰ کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ صدر صاحب کی نیک خواہشات کے باوجود[1] اس میں علما دینی اسلامی ذہن رکھنے والے لوگ اتنی بڑی تعداد میں آجائیں گے کہ وہ اسمبلی میں قانون سازی کا رُخ بدل دیں گے۔ بلکہ توقع یہی ہے کہ حسبِ معمول اسمبلی کی ایک بڑی اکثریت صنعت کاروں، زمینداروں، پیشہ ور سیاستدانوں اور وکلا، خوشامدیوں، طالع آزماؤں دینی شعور سے بے بہرہ، سنے اور خام افراد پر مشتمل ہو گی۔ اور ان کے رویے اُن رویوں سے بھی کم تر ہوں گے جن کا تجزیہ ہم پچھلے ۲۰ برس سے کر رہے ہیں۔ تو گویا بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ آئندہ جو اسمبلی یا شوریٰ بنے گی وہ اسلامی نقطۂ نظر سے قانون سازی کے سلسلے میں صدر صاحب کی نیک خواہشات کے باوجود، کوئی مثبت کام شاید ہی کر پائے گی۔

پیشتر اس کے کہ صورتِ حال کے اس تجزیے سے ہم نتائج اخذ کریں اس سلسلے میں ایک اور مشکل کی طرف اشارہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ جن مسودہ ہائے قوانین کا اُوپر ذکر ہوا ہے ان کو شوریٰ سے پاس ہوئے ایک عرصہ گزر چکا ہے مثلاً:

۱۔ قاضی کورٹس کا مسودۂ قانون ۸۴/۲/۲۰ کو پاس ہوا تھا، اب اسے دو سال ہونے کو آ رہے ہیں، لیکن یہ ابھی تک نافذ نہیں ہو سکا۔

۲۔ قصاص و دیت کا قانون جولائی ۸۴ء میں پاس ہوا تھا، ابھی تک نافذ نہیں ہوا۔

---

[1] جب صدر صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر، چیف آف دی آرمی سٹاف اور صدر مملکت ہوتے ہوئے اور نامزدگی کا کلی اختیار رکھتے ہوئے مجلس شوریٰ میں ایسے لوگوں کی اکثریت نہیں لا سکے جو نفاذِ شریعت اور اسلامی قوانین کی پُرجوش حمایت کرتے تو نئی اسمبلی منتخب ہو جانے کے بعد اور محض سول صدر بن جانے کے بعد وہ کیا کر پائیں گے؟